

جلد نمبر 06، شمارہ نمبر 02، دسمبر - 2025

پیر حسام الدین راشدی کی تحقیقی خدمات اور ان کا لسانی نظریہ: اجمالی تعارف

Peer Hassam Ud Din Rashdi's research contributions and his linguistic theory: A brief introduction

Dr. Qandeel Bader

Assistant Professor,

Urdu Department, Sardar Bahadur Khan

Women's University Baluchistan, Quetta

ڈاکٹر قندیل بدر

اسسٹنٹ پروفیسر،

شعبہ اردو، سردار بہادر خان وومنز یونیورسٹی بلوچستان، کوئٹہ

ISSN

eISSN: 2789-6331

pISSN: 2789-4169



Copyright: © 2025 by the authors. This is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC BY) license

Abstract

Peer Hassam Ud Din Rashdi has a multi-dimensional personality. His contributions to literature and research are remarkable. In this paper, besides a brief introduction to his personality, a comprehensive list of his complete and incomplete books and papers of Persian, Sindhi and Urdu have been prepared. Further, few important theories about Sindhi and Urdu have been briefly discussed. Afterwards, Rashdi's linguistic theory has been completely analyzed and the pros and cons of this theory along with its important aspects have been addressed.

Keywords: Peer Hassam Ud Din Rashidi, Language, Linguistic theory, Literature

پیر حسام الدین راشدی ۲۰ ستمبر ۱۹۱۱ء کو ضلع لاڑکانہ کے ایک قصبے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنے بڑے بھائی پیر علی محمد راشدی کے ساتھ ابتدائی تعلیم مولوی محمد سومار سے حاصل کی۔ ۱۵ برس کی عمر میں شکار پور کے اخبار ”جاگن“ سے بہ حیثیت نامہ نگار لکھنے کا آغاز کیا۔ ۱۹۳۰ء میں ایوب کھوڑو کے اخبار ماہ نامہ ”المنار“ سکھر کے مدیر بنے۔ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۴ء تک پیر علی محمد راشدی کے ساتھ مل کر سکھر سے اخبار ”سندھ زمیندار“ نکالتے رہے۔ یوں ان کی علمی اور تحقیقی خدمات کا باقاعدہ آغاز ہوا جو مرتے دم تک جاری رہا۔ پیر حسام ذہنی طور پر علامہ شبلی نعمانی اور

جلد نمبر 06، شمارہ نمبر 02، دسمبر - 2025

سید سلیمان ندوی کے مکتب فکر سے منسلک تھے۔ اسی باعث ان کے علمی کام پر ان موقر و معتبر شخصیات کی چھاپ واضح دیکھی جاسکتی ہے۔ ان کی شخصیت میں شامل تحقیقی مشقت جو ان کی زندگی کا اساسی رویہ تھی، درحقیقت اسی مکتب کی دین ہے۔ یہی تحقیقی لگن ان کو دن رات سرگرم رکھتی۔ اسی سلسلے میں انہوں نے پنجاب، دہلی، دکن، ایران، عراق، شام، مصر، فرانس اور برطانیہ کے سفر بھی اختیار کیے۔ ان ممالک میں ایران سے خاصے قریبی اور دلی مراسم رہے۔ ایرانی ان کی بہت قدر کرتے تھے۔ اکثر معاملات میں ان کی قیمتی رائے لیتے اور اس پر بلا کم و کاست فیصلے کیا کرتے تھے۔ ان کی اسی گراں قدر علمی شخصیت کی بدولت ان کے حلقہ احباب میں کئی اہم غیر ملکی شخصیات شامل رہیں۔ جن میں ابنامیری شمل (جرمنی)، پروفیسر ذکی ولیدی طوغان (ترکی)، پروفیسر گین کائوسکی (ماسکو)، پروفیسر بائبل (مانچسٹر)، آقائی باقرزادہ (ایران)، عبدالحی حبیبی (افغانستان)، پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی (دہلی) اور قاضی عبدالودود (پٹنہ) قابل ذکر ہیں۔ ان کا یہ وسیع حلقہ احباب اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ان کی ذات ایک بیش بہا علمی سمندر کی سی تھی جس سے فیض یاب ہونے کے لیے دور دور سے لوگ آیا کرتے تھے۔ پیر حسام الدین راشدی کی قیام گاہ ہر وقت عقیدت مندوں سے گھری رہتی، جہاں دعوتوں کا بھی خاص اہتمام رہتا، جن کی تعریفیں اکثر ادبا نے بیان کی ہیں۔ ان دعوتوں میں مختلف سماجی اور ادبی شخصیات کی ایک بڑی تعداد کو مدعو کیا جاتا تھا۔ ان کے دولت کدے کا ایک اور اہم پہلو ان کا کتب خانہ تھا۔ جس میں تحقیقی حوالے سے خاصا نایاب سرمایہ محفوظ تھا جو ان کے انتقال کے بعد آدھا قائد اعظم یونیورسٹی اور آدھا سندھیالوجی ڈیپارٹمنٹ جامعہ سندھ حیدر آباد کی لائبریری کو دے دیا گیا۔ دسمبر ۱۹۵۸ء میں انہیں پہلی بار دل کا دورہ پڑا اس کے بعد کبھی مکمل صحت یاب نہیں رہے کئی آپریشن کروانے پڑے۔ کافی عرصہ سرطان جیسے موذی بیماری میں بھی مبتلا رہے۔ لیکن ہمہ وقت علمی شغل میں مصروف رہے اور ان کے پایہ استقامت میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی۔ یکم اپریل ۱۹۸۲ء کو دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔

پیر حسام الدین راشدی کی ہمہ جہت شخصیت کو کسی ایک دائرے میں مقید نہیں کیا جاسکتا، ان کی علمی اور ادبی سرگرمیاں بے شمار ہیں جن میں سے چیدہ چیدہ کا تذکرہ کیا جائے گا۔ متذکرہ بالا اخبارات کے علاوہ بھی انہوں نے کئی اخبارات و رسائل میں مدیر اور معاون مدیر کے طور پر کام کیا جن میں روزنامہ ”ستارہ سندھ“، ”سکھر“، روزنامہ ”الوحید“، ”کراچی“، روزنامہ ”قربان“، ”کراچی“، ”سہ ماہی“، ”مہران“ (سندھی ادبی بورڈ کا ادبی و علمی مجلہ)، ”سہ ماہی“، ”اردو“ (انجمن ترقی اردو کا ادبی مجلہ)، ”سہ ماہی“، ”ایران شناسی“، ”تہران“، ”سہ ماہی“، ”پارس“، ”کراچی“ شامل ہیں۔ علاوہ ازیں مرکزی حکومت کے ماہنامہ ”نئی زندگی“ اور ہٹاریکل سوسائٹی آف پاکستان کراچی کی مشاورتی کمیٹی کے رکن بھی رہے۔ ان کے ساتھ ساتھ پیر صاحب کئی اداروں کے بانی رکن بھی تھے۔ جن میں انجمن ترقی اردو کراچی، اردو کالج کراچی، اردو ٹرسٹ کراچی، انسٹی ٹیوٹ آف سنٹرل اینڈ ویسٹ ایشین اسٹڈیز جامعہ کراچی اور ادارہ یادگار غالب شامل ہیں۔ جب کہ انہوں نے کئی اداروں کی مجلس عاملہ کے کارکن کی حیثیت سے بھی فرائض سرانجام دیے۔ جن میں سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد، اقبال اکیڈمی کراچی، اردو ترقی بورڈ کراچی، ادارہ سندھیالوجی جامعہ سندھ حیدر آباد، ریسرچ سوسائٹی پاکستان، جامعہ پنجاب لاہور، قومی عجائب گھر کمیٹی کراچی اور حاجی عبداللہ ہارون کالج کراچی قابل ذکر ہیں۔

پیر صاحب فارسی، سندھی، اردو کے علاوہ عربی اور انگریزی زبانوں پر بھی عبور رکھتے تھے جب کہ فارسی، سندھی اور اردو زبانوں میں کثیر تعداد میں گراں قدر کتب بھی پیش کیں۔ مذکورہ تینوں زبانوں میں لکھی گئی کتب کی تعداد بعض محققین چالیس اور بعض پچاس بتاتے ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کی کچھ کتب غیر مطبوعہ اور کچھ نامکمل بھی بتائی جاتی ہیں۔ یہاں ان کی فارسی، سندھی اور اردو کتب و مقالات کا مسلسل نمبر شمار کے

جلد نمبر 06، شمارہ نمبر 02، دسمبر - 2025

تحت الگ الگ تذکرہ کیا جائے گا، تاکہ ان کی کتب کی کل تعداد سامنے آ سکے۔ یہاں اس بات کی نشان دہی بھی ضروری ہے کہ آپ کی بعض کتابیں تینوں زبانوں میں اور بعض دو زبانوں میں لکھی یا ترجمہ کی گئی ہیں۔ انہوں نے اپنے کچھ اردو مقالات کو سندھی کتابوں کی شکل اور کچھ سندھی اور فارسی کتابوں کو مختصر کر کے اردو مقالات کی شکل بھی دی ہے۔ اسی طرح اپنی کچھ فارسی کتب کے مقدمے، حواشی اور تعلیقات سندھی اور اردو زبان میں بھی لکھے ہیں جب کہ بعض اوقات اپنی کچھ سندھی کتب کے متذکرہ بالا حصے انہوں نے اردو اور فارسی زبان میں بھی لکھے ہیں اس طرح کی جو معلومات دست یاب تھیں، وہ کتب کی فہرستوں کے ساتھ درج کی گئی ہیں، علاوہ ازیں کتابوں کے سن اشاعت بھی درج کیے گئے ہیں۔ کتب کی یہ فہرستیں مولانا نصاب الدین عبد الرحمن کے ایک مفصل مقالے اور ڈاکٹر غلام محمد لاکھو کے دو تحقیقی مقالوں کی روشنی میں ترتیب دی گئی ہیں اور مقالات کے سلسلے میں ان رسائل کا تاریخ وار تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ جن میں متذکرہ مقالہ پہلی بار شائع ہوا کیوں کہ ان کے اکثر مقالات کئی بار مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ مکرر اشاعتوں کی بہ جائے صرف اس رسالے کا نام اور اشاعت کا زمانہ درج کیا گیا ہے جس میں وہ پہلی بار شائع ہوا۔ ان کی کتب کی تفصیل لکھنے سے قبل یہ بتانا ضروری ہے کہ ان کی زیادہ تر کتب قدیم نسخوں اور تذکروں کی تالیف و تدوین پر مبنی ہیں۔ سب سے پہلے ان کی فارسی کتب کا ذکر کرتے ہیں کیوں کہ ان کا سب سے زیادہ کام اسی زبان میں محفوظ ہے۔ ان کی کچھ فارسی کتب ابھی زیر تکمیل تھیں لیکن زندگی نے تکمیل کا موقع نہیں دیا۔ ان کی اہم فارسی تصانیف کے نام حسب ذیل ہیں۔

- ۱۔ مثنوی چنیر نامہ از ادراکی بیگلار ۱۹۵۶ء پیش لفظ سندھی زبان میں
- ۲۔ مقالات الشعراء از قانع ٹھٹوی ۱۹۵۷ء
- ۳۔ مثنوی مظہر الآثار ۱۹۵۷ء
- ۴۔ تکملہ مقالات الشعراء ۱۹۵۸ء
- ۵۔ مثنویات و قصائد قانع ٹھٹوی ۱۹۶۱ء تعارف سندھی زبان میں
- ۶۔ تاریخ مظہر شاہجہانی سن ندارد
- ۷۔ مثنویات ہشت بہشت از عطا ٹھٹوی ۱۹۶۳ء تعارف سندھی زبان میں
- ۸۔ منشور الوصیت و دستور الحکومت ۱۹۶۴ء مقدمہ سندھی زبان میں
- ۹۔ تاریخ ترخان نامہ از میر محمد ٹھٹوی ۱۹۶۵ء
- ۱۰۔ تذکرہ حدیقۃ الاولیاء از عبدالقادر ٹھٹوی ۱۹۶۷ء مقدمہ سندھی زبان میں
- ۱۱۔ تذکرہ شعراے کشمیر از محمد اصرح ۱۹۶۷ء گزارش اردو زبان میں



جلد نمبر 06، شماره نمبر 02، دسمبر - 2025

- ۱۲۔ تذکرہ شعرائے کشمیر بخش اول ۱۹۶۷ء تعلیقات و حواشی فارسی زبان میں
- ۱۳۔ تذکرہ شعرائے کشمیر بخش دوم ۱۹۶۷ء تعلیقات و حواشی فارسی زبان میں
- ۱۴۔ تذکرہ شعرائے کشمیر بخش سوم ۱۹۶۷ء تعلیقات و حواشی فارسی زبان میں
- ۱۵۔ تذکرہ شعرائے کشمیر بخش چہارم ۱۹۶۹ء تعلیقات و حواشی فارسی زبان میں
- ۱۶۔ احوال و آثار ملک الشعراء ابوالفیض فیضی سن ندارد
- ۱۷۔ تذکرہ روضۃ السلاطین از فخری ہروی ۱۹۶۸ء حرف آغاز و تعلیقات اردو زبان میں
- ۱۸۔ تذکرہ جواہر العجائب از فخری ہروی ۱۹۶۸ء
- ۱۹۔ دیوان فخری ہروی ۱۹۶۸ء
- ۲۰۔ دیوان بیرم خان سن ندارد
- ۲۱۔ تحفۃ الکرام (بخش اول از مجلد سوم در تاریخ سند) ۱۹۷۱ء
- ۲۲۔ تذکرہ مشائخ سیدستان ۱۹۷۱ء
- ۲۳۔ مثنوی مہر و ماہ از عطا ٹھٹوی ۱۹۷۱ء
- ۲۴۔ تذکرہ ریاض العارفین (جلد اول)
- ۲۵۔ تذکرہ ریاض العارفین (جلد دوم)

اب ان کی اہم سندھی تصانیف کا تذکرہ کرتے ہیں۔ فارسی کی طرح، ان کی سندھی تصانیف کی تعداد بھی خاصی ہے۔ ویسے تو ان کی خالص ادبی سرگرمیوں کے متعلق زیادہ معلومات نہیں مل سکیں لیکن اتنا ضرور پتا چلا ہے کہ انہوں نے سندھی زبان میں کچھ افسانے بھی لکھے تھے جو کتابچوں کی شکل میں چھپتے بھی رہے۔ جن میں ”انارکلی“ کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔

۲۶۔ اسلامی کتب خانہ ۱۹۳۰ء

۲۷۔ مہراںء موجوں ۱۹۵۵ء



جلد نمبر 06، شماره نمبر 02، دسمبر - 2025

- ۲۸۔ تذکرہ امیر خانی ۱۹۶۱ء
- ۲۹۔ ماک بہنارائیل ۱۹۶۵ء
- ۳۰۔ مکلی نامہ ۱۹۶۷ء
- ۳۱۔ تذکرہ مشاہیر سندھ از مولانا وفائی ۱۹۷۴ء
- ۳۲۔ ہوڈو تھی ہوڈوینہن ۱۹۸۱ء
- ۳۳۔ میر محمد معصوم بھری ۱۹۷۹ء
- ۳۴۔ گالیھوں گوٹھ وٹن جوں ۱۹۸۱ء
- ۳۵۔ مولانا محب علی سندھی ۱۹۴۲ء
- ۳۶۔ سیدی علی رئیس ۱۹۷۲ء
- ۳۷۔ مرزا عیسیٰ خان ترخان ۱۹۶۷ء
- ۳۸۔ ٹھٹے جو تاریخ جغرافیہ ۱۹۷۳ء

زیر تالیف و طباعت نیز نامکمل چند سندھی کتب کے نام درج ذیل ہیں۔

- ۳۹۔ تالیپورن جی تاریخ
- ۴۰۔ رسالہ پیر گوہر ”اصغر“
- ۴۱۔ راشدی خاندان انیس سندن علمی انیس ادبی خدمتوں
- ۴۲۔ سعادت یورانی ہروی

ان کی اردو کتب و مقالات پر روشنی ڈالنے سے قبل غلام محمد لاکھو کی یہ رائے درج کرنا ضروری ہے جن کے بہ قول ان کی اردو خدمات ایک پورے دفتر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

جلد نمبر 06، شماره نمبر 02، دسمبر - 2025

”انجمن ترقی اردو پاکستان سے لے کر اردو کالج کے قیام تک اردو کے س نام پر ہر نئے بننے والے ادارے میں کسی نہ کسی طرح راشدی صاحب کا نام آتا ہے۔ علمی کام ہو، کسی جریدے کا اجرا ہو، اردو ڈکشنری کا معاملہ ہو یا اردو کی ترقی کے لیے کوئی اور کام کرنا مقصود ہو، راشدی صاحب سے ضرور مشورہ کیا جاتا۔“ ۱۔

۴۳۔ سندھی ادب (اس کا روسی اور سندھی ایڈیشن بھی موجود ہیں۔ روسی ترجمہ ریسیسیگورودانے اور سندھی ترجمہ غلام محمد لاکھونے کیا ہے) ۱۹۵۰ء

۴۴۔ ہفت مقالہ (فارسی مقالات کا انتخاب کیا ہے صرف مقدمہ اردو میں ہے) ۱۹۶۷ء

۴۵۔ دود چراغ محفل ۱۹۶۹ء

۴۶۔ مرزا غازی بیگ ترخان اور اس کی بزم ادب ۱۹۷۰ء

۴۷۔ مقالات راشدی

اس کتاب میں ان کے ان تمام مقالات کو یک جا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو وقتاً فوقتاً مختلف رسائل و جرائد میں چھپتے رہے ہیں۔ یہ مجموعی طور پر اکیس مقالات ہیں۔ مواد کے اعتبار سے ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک حصہ مطالعہ سندھ پر مبنی ہے اس میں سندھ کی تاریخ کے بہت سے اہم گوشے اجاگر ہوئے ہیں۔ دوسرا حصہ اردو ادب کی تاریخ اور اہم شخصیات کے مطالعے پر مبنی ہے جن میں پنڈت دتاتریہ کیفی، مولانا محمد شفیع اور شاہد احمد دہلوی کے مضامین بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ پیر حسام اردو کے ان چند محققین میں سے ایک ہیں جن کا اسلوب ادبیت سے بھرپور ہے موخر الذکر مضمون ان کی طرز نگارش کا بہترین نمونہ ہے۔ اس کتاب میں شامل مقالات کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ فتاویٰ عالمگیری کے دوسندھی مولفین اور ان کے اجداد ”معارف“ سال ۱۹۴۷ء

۲۔ مولانا محب علی سندھی سہ ماہی ”اردو“ اکتوبر ۱۹۵۰ء

۳۔ میر ابو القاسم نمکین اور ان کا خاندان ”تاریخ و سیاسیات“ اپریل و اکتوبر ۱۹۵۱ء

۴۔ اردو کا اصلی مولد سندھ سہ ماہی ”اردو“ اپریل ۱۹۵۱ء

۵۔ سندھ کے اردو شعراء سہ ماہی ”اردو“ اکتوبر ۱۹۵۱ء

۶۔ بوعلی سینا کی تصانیف ماہ نامہ ”فاران“ ستمبر ۱۹۵۲ء

۷۔ مرزا غازی بیگ ترخان ”تاریخ و سیاسیات“ مئی، اگست ۱۹۵۳ء



جلد نمبر 06، شماره نمبر 02، دسمبر - 2025

- ۸۔ تاریخ سندھ کے ماہ نامہ ”ریاض“ جولائی ۱۹۵۴ء
 - ۹۔ غالب اور خادم ”اردو نامہ“ ستمبر ۱۹۶۳ء
 - ۱۰۔ ڈاکٹر عترت حسین زبیری ”اردو نامہ“ دسمبر ۱۹۶۵ء
 - ۱۱۔ ایک عالی دماغ تھانہ رہا ماہ نامہ ”نگار“ جون ۱۹۶۶ء
 - ۱۲۔ کیفی دتاتریہ ”سہ ماہی“ اکتوبر ۱۹۶۶ء
 - ۱۳۔ سندھ اور ایران کے تعلقات ”نقوش“ اکتوبر - دسمبر ۱۹۶۶ء
 - ۱۴۔ قاہرہ میوزیم میں چند گھنٹے ”سہ ماہی“ الزمیر“ سال ۱۹۶۷ء
 - ۱۵۔ مولانا محمد شفیع ”سہ ماہی“ اردو“ جنوری ۱۹۶۸ء
 - ۱۶۔ پنہ کجا کجا پنہم ”ساقی“ (شاہد احمد دہلوی نمبر) سال ۱۹۷۰ء
 - ۱۷۔ ہمارا تعلیمی نظام اور ماحول حوالہ ندارد
 - ۱۸۔ سندھ کے تاریخی اور سیاسی مکتوبات کانگریس کی روداد (جلد اول) اسلام آباد یونیورسٹی ۱۹۷۵ء
 - ۱۹۔ اردو شعراء کے تذکرے کچھ گزارشات ”اردو نامہ“ جون ۱۹۷۶ء
 - ۲۰۔ اصفہان کی ایک یادگار شام ”پیوندہاں فرہنگی ایران و پاکستان“ (کتاب) ۱۹۷۷ء
 - ۲۱۔ سلطان محمود بکھری کی زندگی کا ایک پہلو ”نذر حمید احمد خان“ (کتاب مرتبہ احمد ندیم قاسمی) ۱۹۸۰ء
- انہیں خدمات کی بدولت کوئی ان کو ”اردو کا پیر“ کہتا ہے۔ تو کوئی ”اردو تحقیق کی ایک منفرد مثال“۔ یہ درست ہونہ ہو لیکن حسام الدین راشدی ”سندھ میں اردو تحقیق کا اسم اعظم“ ضرور ہیں۔ ان کے عالمانہ، مؤرخانہ اور محققانہ کارنامے تو ان کتب کے ناموں سے بھی ظاہر ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ اس جید عالم کی تحقیقی خدمات پر کچھ اہم محققین کی آراء بھی درج کر دی جائیں۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل رقم طراز ہیں:
- ”پیر صاحب کی زیادہ تر دلچسپی اور محنت قدیم اور غیر مطبوعہ متون کی ترتیب و تدوین میں صرف ہوئی ہے۔ حواشی اور تعلیقات کا اہتمام ہمیشہ ان کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔۔۔ ان کے مرتبہ تذکرہ ”شعراے کشمیر“ کو اس نوعیت کی ایک انفرادی مثال کہا جاسکتا ہے“ یعنی جو متن ایک جلد میں سمٹا ہوا تھا پیر صاحب نے اسے اپنی تعلیقات کے ذریعے مزید چار ضخیم جلدوں میں پھیلا دیا۔“ ۲

جلد نمبر 06، شماره نمبر 02، دسمبر - 2025

”شعراے کشمیر“ کے ساتھ ساتھ ”مکلی نامہ“ کو بھی ان کی تدوین کی بہترین مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ مکلی نامہ کا اصل متن ۹۲ صفحات پر مشتمل تھا اور انہوں نے اس پر ۷۰۰ صفحات پر مشتمل حواشی اور تعلیقات کا اضافہ کیا ہے۔ لیکن ان کی یہ تدوینی خدمات صرف درج بالا دو کتب پر ہی مشتمل نہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

”پیر صاحب کی تحقیق و ترتیب کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ جہاں صحتِ متن پر پوری توجہ دیتے تھے وہاں متعلقہ معلومات کو بھی ساتھ ہی یکجا کر دیتے تھے یہ دوہری افادیت ان کی ہر مرتبہ کتاب میں ملے گی۔۔۔ اکثر وہ یہ کرتے کہ کتاب کو اس طرح مرتب کرتے کہ اس کو دورِ جدید تک مکمل کر دیتے تھے۔“ ۳

راشدی صاحب بنیادی طور پر تاریخ کے عالم تھے اور تاریخ ہی کے حوالے سے مختلف علوم و فنون پر ان کی گہری نظر تھی خاص طور پر سندھ کی تاریخ و تہذیب کے بنیادی مآخذات کی تلاش ان کا وہ کارنامہ ہے جس نے سندھ کی علمی زندگی کو حیاتِ جاوداں بخشی اور یہاں کی نئی نسل کو وہ روشنی فراہم کی جس کے ذریعے وہ اپنے علمی اور تحقیقی کاموں کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ حکیم محمد سعید لکھتے ہیں:

”ان کے لٹریچر میں اسلامی سندھ اپنی پوری آب و تاب اور اپنی تمام تر علمی، فکری اور ادبی سرگرمیوں کے ساتھ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔“ ۴

سید صباح الدین اس کی مزید توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ٹھٹھہ سندھ کا دارالسلطنت تھا ان کی شاید دلی خواہش تھی کہ اس شہر کے تمام آثار کی تاریخ اس طرح قلم بند کی جائے کہ یہ معلوم ہو کہ یہ پایہ تخت بھی غزنی اور دہلی سے کم نہیں رہا۔“ ۵

اس مقالے کا بنیادی موضوع پیر حسام الدین راشدی کا وہ لسانی نظریہ ہے جو انہوں نے سندھ اور اردو کے تعلق کے حوالے سے پیش کیا تھا، لیکن اس نظریے پر بحث سے پہلے اس موضوع پر لکھے گئے لسانی نظریات پر روشنی ڈالنا ضروری ہے تاکہ مذکورہ نظریے کے محاسن و معائب مکمل طور پر سامنے آسکیں۔ ”سندھ میں اردو“ پر تحقیق کی ابتدا غالباً اس وقت ہوئی جب سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے صوبہ کا درجہ دیا گیا۔ اس سلسلے میں پروفیسر رحمت فرخ آبادی محمد ہدایت علی تارک کو اولیت دیتے ہیں انہوں نے اپنی سندھی کتاب ”تاریخ شعراے اردو“ میں اس موضوع سے متعلق کچھ اشارے دیے ہیں اس کتاب کا اردو ترجمہ محمد حفیظ الدین حفیظ نے کیا اور ۱۹۴۵ء میں بہاولپور سے شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ پروفیسر رحمت فرخ آبادی کے مطابق اب تک کم و بیش دس افراد اس موضوع پر تحقیقی مقالات لکھ چکے ہیں۔ لیکن بہر حال یہ موضوع تاحال تشنہ ہے جن اہم شخصیات نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے ان میں افسر صدیقی امر و ہوی، سید سلیمان ندوی، حبیب الرحمن شیروانی، پیر حسام الدین راشدی اور شرف الدین اصلاحی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان سب کا کہنا ہے کہ اردو کا مولد ”سندھ“ ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے محققین ایسے بھی ہیں جو سندھ کو اردو کا مولد تو نہیں مانتے البتہ اس سے انکار نہیں کرتے کہ اردو کے ابتدائی نقوش و آثار یہیں سے ابھرے ہیں۔ ان محققین میں مولوی عبدالحق کا نام بھی شامل ہے۔



جلد نمبر 06، شمارہ نمبر 02، دسمبر - 2025

لسانیات اس ضمن میں کچھ بھی کہتی ہو لیکن اتنی بات سب مانتے ہیں کہ دو مختلف اقوام اور دو مختلف تہذیبوں کا ملاپ ایک نئی قوم اور ایک نئی تہذیب کو ضرور جنم دیتا ہے چوں کہ زبان کسی بھی تہذیب کے اہم عناصر میں شامل ہے تو یہ کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے کہ دو تہذیبوں کا ملاپ زبان پر اثر انداز نہ ہو اور دو زبان سے متعلق پیش کیے گئے اکثر نظریات بھی اسی دلیل پر اپنی عمارت کھڑی کرتے دکھائی دیتے ہیں اور اس سلسلے میں عربوں کی آمد اور اس خطے میں ان کی سکونت کو تاریخ کے ساتھ ساتھ یہاں کی زبانوں کے حوالے سے بھی ایک اہم موڑ قرار دیتے ہیں۔

ایک خاص زمانی و مکانی تقدم کے اعتبار سے خطہء سندھ ہندوستان کے تمام مراکز میں امتیازی اوصاف رکھتا ہے۔ عربوں کے اس خطہء ارض سے روابط قبل از اسلام بھی موجود تھے لیکن سندھ سے متعلق دیے گئے اولین نظریات اسلام سے قبل کے روابط پر روشنی نہیں ڈالتے بل کہ اپنے نظریات کا آغاز دوسری اور تیسری صدی ہجری کے ان حالات سے کرتے ہیں جب پورے سندھ میں اسلامی حکومت مستحکم ہو چکی تھی سندھ میں اردو سے متعلق دیا گیا ابتدائی اور اہم نظریہ سید سلیمان ندوی کا ہے ان کے استدلال کے بہ موجب عرب خشکی کے راستے سندھ میں وارد ہوتے ہیں اور ملتان اور راجستھان تک پھیل جاتے ہیں۔ ۱۱ء میں محمد بن قاسم کے داخلے کے بعد مسلمان سندھ پر قابض ہو جاتے ہیں۔ بہت سے عرب تجارتی یادگیر و جوہات کی بناء پر سندھ میں مستقل آباد ہو جاتے ہیں۔ تبلیغی سرگرمیوں کی بناء پر اسلام پھیلتا ہے اسی عمل کے دوران سندھ کی مقامی بولیوں میں عربی اور بعد ازاں فارسی کی آمیزش ہوتی ہے جس سے اردو کی صورت پذیری کے لسانی عمل کا آغاز ہو جاتا ہے ان ہی توجیہات کی بناء پر انہوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ”مسلمان سب سے پہلے سندھ میں پہنچتے ہیں اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ جس کو ہم آج اردو کہتے ہیں اس کا ہیولی اس وادی سندھ میں تیار ہوا ہو گا۔“ یہ اقتباس ان کے مقالے ”ہندوستان میں ہندوستانی“ سے ماخوذ ہے اس کے علاوہ بھی مولانا موصوف نے اپنے مقالے ”اردو کیوں کر پیدا ہوئی“ میں بہت سی تاریخی اور چند ادبی و لسانی شہادتیں پیش کر کے سندھ کی اولیت کے سلسلے میں خاصا اہم مواد فراہم کیا ہے جس سے بعد میں آنے والے لسانی محققین نے خاصا استفادہ کیا ہے۔

اردو کے حوالے سے سندھ کی اولیت کا قضیہ روز افزوں ترقی کر رہا ہے ”پنجاب میں اردو“ از حافظ محمود شیرانی کی طرح سندھ میں اردو کا مواد کسی ایک کتاب یا نظریے میں مجتمع نہیں ہو سکا۔ لیکن آج تک کی تحقیق نے اس نظریے کو خاصا اہم اور قابل توجہ بنا دیا ہے۔ علم لسانیات روز بہ روز ترقی کے مراحل طے کر رہا ہے یہی وجہ ہے کہ اردو کے لسانی مباحث بھی تاریخ میں بہت دور تک جانکے ہیں جہاں خطے کی مناسبت سے سندھ کو موضوع بحث بنایا گیا ہے وہیں زبانوں کے تقابلی جائزے کی ذیل میں اردو سندھی کے تعلقات کو بھی اجاگر کیا گیا ہے یہاں چند اہم نکات کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

جب اردو کی لسانی بحث میں یہ آوازیں بلند ہوئیں کہ دراوڑی زبان ہی دراصل اردو کا ماخذ ہے تو خطہء سندھ کے علم برداروں نے ان تاریخی شواہد تک رسائی حاصل کر لی جن کے بہ موجب دراوڑ سب سے پہلے سندھ میں داخل ہوئے تھے ان سے قبل نگرہٹو اور آسٹرک نامی اقوام یہاں آباد تھیں۔ شرف الدین اصلاحی نے لکھا ہے:

”ہندوستان میں آنے والا تیسرا بڑا گروپ دراوڑ ہیں یہ لوگ بحیرہ روم ہی کی طرف سے آئے اور ابتداً سندھ میں آکر بسے۔“ ۶

جلد نمبر 06، شمارہ نمبر 02، دسمبر - 2025

مراد یہ ہے کہ دراوڑوں کی زبان کا ابتدائی اختلاط سندھ ہی میں وقوع پذیر ہوا۔ اردو پر آریائی زبانوں کے اثرات کے ضمن میں ان محققین کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ آریائی اور دراوڑی زبانوں کا ابھی سر دست تقابلی مطالعہ نہیں ہوا اس لیے ممکن ہے کہ جن الفاظ کو ہم آریائی سمجھتے ہیں وہ دراوڑی ہوں۔ عین الحق فرید کوٹی نے اپنے مضمون ”وادی سندھ میں دراوڑی زبان کی باقیات“ میں کثرت سے ایسے دراوڑی الفاظ درج کیے ہیں جو آج نہ صرف سندھی بلکہ ہندوپاک کی اکثر زبانوں میں پائے جاتے ہیں۔

دراوڑوں کے بعد آریہ قوم ہر صغیر میں وارد ہوئی اور جلد ہی اس پورے خطے پر قابض ہو گئی۔ آریہ لوگ کئی قبیلوں اور خاندانوں میں بٹے ہوئے تھے۔ جن میں سے پانچ خاندان و قبائل خاص طور پر نام و در رہے۔ جنہیں رگ وید میں ”پنج جن (Five Folks)“ کے نام سے پکارا گیا ہے۔ ان میں سے دو خاندانوں کے نام ”یدو“ اور ”ترو سو“ ہیں۔ شرف الدین اصلاحی ان ہی سے متعلق یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں:

”پوری تحقیقات کے بعد یورپی محققین کو یہ یقین ہو گیا کہ یہ یدو اور ترو سو بابل یا بابلان سے سمندر کے راستے آکر پہلے سندھ میں رہے۔“ ۷

اس دعویٰ کا مقصد بھی یہی ہے کہ آریائی زبانوں کا ابتدائی رابطہ بھی وادی سندھ کی زبانوں سے ہوا۔ اس کے بعد کے اہم نظریات پنجاب، پنجابی اور ملتان، ملتان (سرائیکی) سے متعلق ہیں۔ یہ محققین اس بات پر مصر ہیں کہ اردو کی جائے پیدائش پنجاب ہے نیز پنجابی اور اردو میں ماں بیٹی کا رشتہ قائم ہے۔ اس کا جواب سندھ کے محققین یوں دیتے ہیں کہ ہزار ہا سال قبل سندھ اور پنجاب الگ الگ خطے نہیں تھے بلکہ پنجاب کے بیش تر حصے حکومت سندھ ہی کا حصہ تھے اور عربوں کی آمد تک ان خطوں کی لگ بھگ یہی صورت حال تھی۔ مین عبد المجید سندھی لکھتے ہیں:

”قدیم زمانے سے ایک طویل عرصے تک سندھ، پنجاب اور کشمیر حکومت سندھ میں شامل رہے۔ آریوں کی آمد سے قبل بھی ان علاقوں کے آپس میں لسانی، تہذیبی، تجارتی اور مذہبی تعلقات تھے۔“ ۸

دراوڑ اور آریہ کے بعد عرب بھی ابتداً اسی خطے میں وارد ہوئے اور پھر دوسرے علاقوں میں نقل مکانی کی۔ عرب کے دور حکومت میں دہلی سے لے کر ملتان تک کے علاقے سندھ کی حکومت ہی میں شامل تھے۔ اور غزنویوں کے عہد میں جب یہ خطے جدا ہوئے تب بھی پنجاب کا تجارتی مال سندھ ہی کی بندرگاہوں کے ذریعے درآمد و برآمد ہوتا تھا۔ یہی وہ تاریخی شواہد ہیں جن کی بدولت ڈاکٹر مین عبد المجید سندھی نے لکھا:

”ان ہی وجوہات کی بنا پر سندھی، سرائیکی، پنجابی اور وادی سندھ کی دیگر زبانوں کا ایک دوسرے سے گہرا رشتہ قائم رہا۔“ ۹

ان شہادتوں کی روشنی میں یہ کہنا غلط نہیں کہ اردو کا رشتہ اگر دراوڑی یا آریائی زبانوں سے ہے یا عربی اور فارسی زبانوں سے، تو ان تمام زبانوں کا اولین اختلاط سندھ ہی میں ہوا، اور اگر پنجاب سے ہے، تو وہ بھی دور غزنوی تک سندھ میں شامل تھا اور اگر پنجابی یا ملتان سے ہے، تو ان زبانوں اور سندھی میں اشتراکات کی ایک طویل فہرست بھی مین مجید سندھی کے مقالے میں موجود ہے، جو ان زبانوں کے مابین رشتہ کو کسی حد تک ثابت کرتی ہے اور کہانی میں ایک نیا موڑ پیدا کرتی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی جو اردو اور پنجابی کے سلسلے میں اپنا اہم نظریہ پیش کر چکے ہیں اور ان دونوں زبانوں کے تعلق کے اہم علم برداروں میں سے ہیں، اپنے مقالے ”سندھ میں اردو (آغاز سے ۱۷۵۰ء تک) میں لکھتے ہیں:

جلد نمبر 06، شماره نمبر 02، دسمبر - 2025

”پنجابی، ملتان اور اردو کے اس قدیم، گہرے اور حقیقی رشتے سے واقف ہو کر جب ہم پنجابی، ملتان اور سندھی کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بھی ایک دوسرے سے بہت قریب نظر آتی ہیں۔ اہل تحقیق کی رائے ہے کہ ملتان اور سندھی ایک دوسرے سے الگ ہونے سے پہلے ایک تھیں اور آج بھی سندھی بولنے والے کے لیے سرائیکی اور سرائیکی بولنے والے کے لیے سندھی زبان اجنبی نہیں ہے۔ جس طرح ملتان اور پنجابی سے اردو کا گہرا رشتہ و تعلق ہے اسی طرح سندھی سے بھی اردو کا ویسا ہی بنیادی و قدیم رشتہ ہے۔۔۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کی آمد سب سے پہلے سندھ میں ہوئی اور معاشرتی سطح پر ملنے جلنے کی ضرورت بھی سب سے پہلے یہیں پیش آئی۔“ ۱۰

یقیناً سندھ میں اردو کے اس نظریے میں کچھ جان ضرور ہے جس نے جمیل جالبی جیسے محقق کو بھی اپنی رائے پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کر دیا۔

حسام الدین راشدی کا مضمون ”اردو زبان کا اصلی مولد: سندھ“ فروری ۱۹۵۱ء میں سندھ کے شہر خیرپور میں منعقدہ کانفرنس میں پڑھا گیا اور پھر سہ ماہی ”اردو“ کے شمارے اپریل ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا۔ سندھ وہ واحد خطہ ہے جس کی تہذیب و ثقافت نے عربوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا اور اسی وجہ سے عربوں کے سفر ناموں، جغرافیائی تحریروں اور تاریخی کتب میں جتنا ذکر سندھ کا ہے اس کا عشر عشر بھی بر صغیر کے دوسرے علاقوں کا نہیں۔ چنانچہ سندھ میں دو قوموں اور دو تہذیبوں کے اختلاط اور ارتباط سے جو نئے الفاظ وجود میں آئے ان سے سندھی زبان کو بھی وسعت ملی اور آگے چل کر ان میں سے بعض الفاظ اردو کا بھی حصہ بنے۔ یہی مخلوط زبان بعد ازاں دوسرے خطوں میں پہنچی۔ اکثر محققین اس بات پر متفق ہیں کہ سندھی زبان پر عربی اور فارسی کے اثرات سے اردو کا تانا بانا سب سے پہلے سندھ میں بنا گیا۔ ان ہی وجوہات نے پیر حسام الدین کو اپنے نظریے کی بنیاد رکھنے پر مجبور کیا۔ سید سلیمان ندوی کے دعوے میں تو تشکک کو واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ مثلاً ”قرین قیاس یہ ہے“ یا ”میں ہی تیار ہوا ہوں گا“ جیسا انداز۔ لیکن پیر حسام صاحب نسبتاً زیادہ یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے نظر آتے ہیں:

”یہ ایک واضح امر ہے کہ اردو کا اصلی مولد سندھ ہے۔“ ۱۱

اس نظریے کا آغاز ان نکات سے ہو کر دعویٰ تک پہنچتا ہے۔

- ۱۔ اردو نے تحریری شکل سب سے پہلے دکن میں اختیار کی لیکن یہ وہاں کی پیداوار نہیں تھی۔
- ۲۔ اردو ہندو اور مسلمان کی وہ مشترکہ زبان ہے جو مسلمانوں کی ہندوستان آمد، حکومت اور تمدنی روابط کے بہ دولت وجود میں آئی۔
- ۳۔ اسلامی زبانوں (یہاں غالباً عربی کے ساتھ ساتھ فارسی اور ترکی کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے) کے ہزار ہا الفاظ ہندی زبانوں (کن زبانوں کا ذکر کر رہے ہیں وضاحت موجود نہیں) میں شامل ہو گئے جسے اہل ہند بلا تخصیص ہندو مسلم سمجھنے لگے۔
- ۴۔ مسلمان سب سے پہلے سندھ میں آئے اور ان کی عربی اور فارسی زبانوں کا مقامی زبانوں سے تعلق یہیں قائم ہوا۔
- ۵۔ تحقیق کی کمی کے باعث ایک زمانے تک اردو مغل درباروں سے اور بعد ازاں عادل و قطب شاہی درباروں سے منسوب کی جاتی

جلد نمبر 06، شمارہ نمبر 02، دسمبر - 2025

- رہی۔ کچھ نے اسے گجرات اور شیرانی صاحب نے جہلم اور چناب کی وادیوں سے جوڑا۔ چنانچہ شیرانی صاحب سے متعلق لکھتے ہیں:
- ”شیرانی مرحوم کے نظریے کی بنیاد لسانی تحقیق کے تقابلی اصول پر رکھی گئی ہے اور ہماری تلاش کا یہی راستہ ہونا بھی چاہیے۔ لیکن خود شیرانی صاحب ایک وسطی منزل میں ٹھٹھک گئے ہیں۔“ ۱۲
- ۶۔ جو لوگ سندھ کی اسلامی فتح اور بعد کی تاریخ سے واقف ہیں وہ ندوی صاحب کے اس قول کو مانتے ہیں کہ ہندو اور مسلمانوں کی متحدہ زبان کا پہلا گہوارہ سندھ ہے۔
- اس کے بعد اپنے دعویٰ کو درست ثابت کرنے کے لیے انہوں نے مندرجہ ذیل تاریخی شواہد پیش کیے ہیں۔
- ۷۔ دوسری تیسری صدی ہجری بہ مطابق آٹھویں نویں صدی عیسوی میں خلافت اسلامیہ سے سندھ کے نہایت قریبی، قومی، سیاسی، سماجی، تجارتی اور تمدنی تعلقات قائم تھے۔
- ۸۔ عربوں کی قوت میں زوال کے بعد سندھ پر غزنویوں اور غوریوں کا تسلط قائم ہوا۔ شہاب الدین غوری کے امیر ”قباچہ“ نے یہاں آزاد حکومت قائم کی لیکن جلد ہی اس کا خاتمہ ہو گیا اور ترکوں کا سندھ پر قبضہ ہو گیا۔ مغلوں کے آنے تک یہ سلسلہ جاری رہا یعنی جب مرکزی حکومت کمزور ہوتی سندھ کے رئیس خود مختار ہو جاتے۔
- ۹۔ عرب اور عراق سے ہزاروں لوگوں نے سندھ میں آ کر دیبل سے ملتان تک بیسیوں چھانوائیاں قائم کیں۔ اس کے بعد افغانستان، بلوچستان اور سیستان سے اور یورش تاتار کے نتیجے میں شمالی وطن سے لاکھوں افراد سندھ میں آن بے۔ یہ لوگ عموماً فارسی اور ترکی بولتے تھے۔
- ۱۰۔ مسلمانوں کی آمد اور کئی صدیوں تک سندھ میں اختیار کردہ بودو باش نے یہاں کی بولیوں میں ہزاروں عربی فارسی الفاظ شامل کر دیے یقیناً یہاں مقیم مسلمانوں نے بھی یہاں کی مقامی بولیاں بولنا شروع کر دی ہوں گی۔
- ۱۱۔ سندھ اور ملتان ہی میں اردو کا بیج پڑا جو پھول پھل کر ایک تناور درخت بنا۔
- ۱۲۔ شیخ فرید الدین گنج شکر ملتان کے رہنے والے تھے اور ملتان کے بارے میں اہل علم جانتے ہیں کہ ملتان خاص ملک سندھ کے صدر مقامات میں شامل تھا۔ پنجاب میں اس کی شمولیت بعد کا حادثہ ہے۔
- ۱۳۔ پنجاب میں اردو کے حوالے سے شیرانی کا دعویٰ درست نہیں کیوں کہ آٹھویں صدی ہجری میں چنگیزی مغلوں نے پنجاب کو بری طرح تہ و بالا کر دیا تھا اور لاہور کی تو اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی جس کے بعد اکبر بادشاہ کے زمانے تک یہ شہر نہیں پنپ سکا۔

جلد نمبر 06، شماره نمبر 02، دسمبر - 2025

۱۴۔ جن صدیوں میں شمالی ہند کی زبانوں میں فارسی کی آمیزش سے اردو ترکیب پاتی ہے۔ ان صدیوں میں ہم سندھ کے کئی شہروں کو اسلامی علوم و فنون اور صنعت و تجارت کے مرکز اور مغرب سے دہلی جانے والی شاہ راہ پر دیکھتے ہیں۔ ان میں ملتان کے علاوہ بھکر، ٹھٹھہ اور اچھہ زیادہ مشہور ہیں۔

ان تاریخی شواہد کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے نظریے کو مستند بنانے کے لیے کچھ لسانی شواہد بھی پیش کیے ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

۱۵۔ ملتان اور منصورہ میں چوتھی صدی ہجری کے اختتام تک عربی اور سندھی زبانیں عام طور پر بولی جاتی تھیں جس کی شہادت اصطرخی، ابن حوقل اور مسعودی جیسے مورخین دیتے ہیں۔

۱۶۔ چوتھی صدی ہجری میں نئی فارسی جو عربی کا دودھ پی کر پلی اور بڑھی تھی، اردو کی دایہ گیری کرنے لگی۔

۱۷۔ ابتدائی بول چال کا سب سے پہلا اور قدیم ثبوت شیخ فرید الدین گنج شکر کا وہ مختصر مکالمہ ہے۔ جو ان کے قریب العصر تذکرہ ”سیر الاولیاء“ اور دوسری تاریخوں کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔

۱۸۔ حضرت داتا اور مادر مومنوں (جو شیخ جمال الدین کی حرم تھیں) کے مابین کا یہ مختصر مکالمہ اردو کے آغاز کے سلسلے میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مادر مومنوں نے عرض کی کہ ”حضرت خوجا کا بول بالا ہے“۔ آپ نے جواباً فرمایا کہ ”مادر مومنوں پونم کا چاند بالا ہوتا ہے“۔ یہ کلمہ ان کے فرزند کے بارے میں فرمایا گیا۔ یہ مکالمہ اس دعوے کی تصدیق کرتا ہے کہ چھٹی صدی ہجری میں دکن تو کجا، دوآبہ، گنگ و جن بھی مسلمانوں کا وطن نہیں بنا تھا جب کہ سندھ کے اونچے خطوں میں اردو بولی جانے لگی تھی۔

۱۹۔ جمعات شاہی، تذکرہ الاصفیاء، جواہر ہندی اور بعد کے تذکروں میں حضرت فریدؒ کے چند لفظ اور جملے اسی ہندی میں منقول ہیں جو بن سنور کر اردو کہلائی۔

۲۰۔ آٹھویں صدی ہجری میں ممالک ہند میں ترک حکومت اور فارسی زبان کا سرکار، دربار اور مدارس و خانقاہ میں پورا دخل ہو گیا تھا۔

۲۱۔ حضرت جہاں گشت جہانیاںؒ کے کئی ملفوظات جمعات شاہی میں محفوظ ہیں۔ انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی سید راجو قتالؒ کے حق میں یہ کلمہ فرمایا تھا۔ ”اساں خوجے، تاساں راجے۔“

۲۲۔ سید راجو قتالؒ نے فیروز شاہ تغلق سے اردو زبان میں یوں خطاب اور مزاح پرسی کی کہ ”کا کافیر و چنگا ہے۔“

۲۳۔ اختتامی شہادت یہ دی گئی ہے کہ سلطان محمد تغلق اور اس کے دس سال بعد فیروز شاہ تغلق نے سومروں کے صدر مقام تھٹھہ پر فوج کشی کی اور ناکام لوٹ گئے۔ تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عقیف میں لکھا ہے کہ اس واقعے پر بستہ والوں نے خوشی کا اظہار اس

جلد نمبر 06، شمارہ نمبر 02، دسمبر - 2025

تک بندی سے کیا۔ کہ ”برکت شیخ پٹھا، ایک موائیک ہٹا۔“ پیر صاحب نے آخری لفظ پر شبہ کا اظہار کیا ہے۔ اس لفظ کو کچھ محققین نے ”تھما“ اور ”بھکا“ پڑھا ہے جب کہ پیر حسام اسے ”ہٹا“ یا ”نہٹا“ خیال کرتے ہیں۔ اور یہ نام شیخ حسین عرف ”شیخ پٹھا“ قرار دیا ہے جو سندھ کے مشہور ولی ہیں۔

اس کے علاوہ اپنے نظریے کے اثبات کے لیے دو شخصیات کے حوالے سے مندرجہ ذیل ادبی شواہد بھی درج کیے ہیں۔

۲۴۔ مولوی عبدالحق کی کتاب ”اردو کی نشو و نما میں صوفیاء کا حصہ“ کے حوالے سے حضرت فریدؒ کی چند نظموں اور ایک جھولنا کا ذکر کیا ہے۔

۲۵۔ سید برہان الدین قطب عالم جو اچھ میں پیدا ہوئے۔ پھر گجرات چلے گئے اور احمد آباد میں انتقال کیا۔ بہت سی تاریخوں میں ان کے ہندی یا اسی اردو میں جو وہ اپنے ساتھ سندھ سے لائے تھے کئی جملے، گیت اور دوہے درج اور مشہور ہیں۔

مذکورہ بالا تمام دلائل کے باوجود حسام راشدی کے اس نظریے سے متعلق مندرجہ ذیل نکات بھی غور طلب ہیں۔

انہوں نے ضرورت کے باوجود اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت سی معلومات درج نہیں کیں۔ ان کی اس تحریر میں اس قسم کے جملے جا بہ جاتے ہیں۔ ”لسانیات اور تاریخ کی تفصیلی بحث چھیڑنے کا یہ موقع نہیں“، ”ہم بہت ہی مختصر طور پر یہ یاد دلانا چاہتے ہیں“، لسانی تفصیلات میں جانے کا یہ موقع نہیں، ان سے عقیدت مندی کے قصے تاریخوں میں مذکور ہیں، جن کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔“ ان جملوں سے یہ اندازہ بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اختصار کو قائم رکھنے کے لیے بہت سی معلومات کو حذف کیا گیا ہے۔ اسی اختصار کے بہ وصف مقالے میں جا بہ جا ابہامات بھی پیدا ہوئے ہیں۔ جیسے ”یہی نئی فارسی“ کون سی فارسی کا تذکرہ کیا ہے، پتا نہیں چلتا۔ کیوں کہ اس سے پہلے اصطخری کی جو عبارت درج ہے وہ یہ ہے کہ ”مکران کے شہروں میں فارسی اور مکرانی کا راج تھا“۔ جس زبان کا راج ہو وہ نئی کیسے ہو سکتی ہے اور کن معنوں میں؟ آگے چل کر لکھا ہے کہ ”لاکھوں مسلمان ”شمالی وطن“ چھوڑ کر سندھ آئے“ یہاں شمالی وطن سے ایشیائے کوچک مراد ہے جو پوری عبارت پڑھنے کے بعد کھلتا ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ لکھا ہے کہ ”انھی بزرگ نے اپنے بھائی کے پوتے“ اس جملے سے پہلے دو بزرگوں کا ذکر کیا گیا ہے حضرت جہاں گشت اور راجو قتال۔ راجو قتال کو حضرت جہاں گشت کا چھوٹا بھائی بتایا گیا ہے اب اس عبارت میں بھائی سے مراد یہی ہیں یا کوئی اور، یہ واضح نہیں ہوتا۔

پیر حسام نے اپنے نظریے کو ثابت کرنے کے لیے جو دلائل اور حوالے دیے ہیں ان میں سے اکثر سید سلیمان ندوی اور حافظ محمود شیرانی کے یہاں پہلے سے موجود ہیں۔ ان ہی وجوہات کی بناء پر ان کے نظریے کو ندوی کے نظریے کی تصدیق سمجھنا بہتر ہے نہ کہ توسیع۔ اس نظریے میں دو نظریات ”سندھ میں اردو“ اور ”پنجاب میں اردو“ کا ذکر کیا گیا ہے۔ دونوں سے ایک ایک حوالہ بھی درج کیا گیا ہے، ایک کی حمایت اور ایک کی مخالفت کی گئی ہے۔ ”پنجاب میں اردو“ کو جس دلیل کی بنا پر رد کرتے ہیں، وہ آٹھویں صدی ہجری میں مغلوں کا پنجاب اور لاہور کو تباہ کرنا ہے۔ حالاں کہ شیرانی اور دیگر محققین پنجاب کی اولیت کے ضمن میں اس مغل دور سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ بلکہ ان کا موقف یہ ہے کہ جب قطب الدین ایبک نے لاہور کی بہ جائے دہلی کو پایہ تخت بنایا تو لاہور سے ہزاروں افراد نے ہجرت کی اور یہ لوگ یہاں سے اپنے ساتھ

جلد نمبر 06، شمارہ نمبر 02، دسمبر - 2025

کوئی زبان بھی ضرور لے گئے ہوں گے۔ جس کے نقوش دہلی میں ابھرے۔ یہ آٹھویں صدی ہجری کے اس متذکرہ واقعے سے بہت پہلے کی بات ہے۔ تصدیق کے لیے حافظ محمود شیرانی کا یہ بیان ملاحظہ ہو:

”غوریوں کے عہد میں جب دارالسلطنت لاہور سے دہلی جاتا ہے اسلامی فوجیں اور دوسرے پیشہ ور اپنے ساتھ دہلی لے جاتے ہیں۔ دہلی میں یہ زبان برج اور دوسری زبانوں کے ساتھ کے دن رات کے باہمی تعلقات کی بنا پر وقتاً فوقتاً ترمیم قبول کرتی ہے اور رفتہ رفتہ اردو کی شکل میں تبدیل ہوتی جاتی ہے۔“ ۱۳

اسی طرح سید سلیمان ندوی کے مقالے میں گوری شکر اور جھاکا ایک حوالہ درج ہے جس میں وہ اردو کو شمال مغرب کی مخلوط پراکرت کی بگڑی ہوئی بھاشا سے جوڑتے ہیں۔ انہوں نے اس حوالے کو درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ”ان ہی قدیم سندھی اور مغربی ہند کی بولیوں نے اسلامی زبانوں کا سب سے پہلے اثر قبول کیا۔“ سندھی اور مغربی ہندی کو آپس میں ملانے کی یہ منطق سمجھ میں نہیں آتی۔ انہوں نے جاہ جاپنے اس نظریے کے حق میں ایسے جملے لکھے ہیں جو دعوے کا ساتھ رکھتے ہیں۔ ”اس میں شبہ کی گنجائش نہیں“، ”اس قول کو ماننے میں ذرا بھی تامل نہ کریں گے“، ”یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے“، ”لہذا یہ ایک واضح امر ہے“، ”یہ مختصر مکالمہ جس کی صحت میں کلام کی گنجائش نہیں“، ”اس دعوے کی تصدیق کرتا ہے“، ”ہم آگے بڑھیں تو اسی نتیجے پر پہنچیں گے جو اس مضمون کا عنوان ہے۔“ اس طرح کی تمام عبارتیں ان کی جذباتیت کی غماز ہیں۔

آٹھویں صدی کا جو جملہ تاریخ فیروز شاہی سے نقل کیا گیا ہے وہ سید سلیمان ندوی کے مقالے ”اردو کیوں کر پیدا ہوئی“ میں یوں درج ہے ”برکت شیخ پٹھا، ایک مواء، اک تھا“۔ یہ مقالہ بھی ”نقوش سلیمانی“ میں شامل ہے لیکن شاید حسام صاحب کی نظر سے نہیں گزرا۔ کیوں کہ اس عبارت میں ”شیخ پٹھا“ یا ”پٹھا“ کی بجائے ”تھیا“ لکھا گیا ہے اسی طرح آخری لفظ کو ”بھکا“، ”تھا“، ”ہٹا“ اور ”نہٹا“ کے بجائے ”تھا“ لکھا گیا ہے سلیمان صاحب بھی اسی جملے کو حسام صاحب کی طرح حاصل مقالہ کہتے ہیں اور زمانی تعین کرتے ہوئے اس عبارت کا سن تحریر ۷۶۲ء بتاتے ہیں۔ جمیل جالبی نے یہ جملہ یوں درج کیا ہے:

”برکت شیخ پٹھا، ایک مواء، ایک نہٹا“۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ شیخ پٹھا (۵۶۰ھ - ۶۰۶ھ - ۱۱۶۳ء - ۱۲۰۹ء) کی برکت سے ایک رک گیا اور ایک بھاگ گیا۔ برکت اور مواء آج بھی اردو زبان کے مروج ذخیرہ الفاظ میں شامل ہیں اور نہٹا را جستھانی اور پنجابی وغیرہ میں ہمیشہ سے مستعمل ہیں۔“ ۱۴

ان خامیوں کے باوجود یہ نظریہ جس ترتیب و تنظیم سے لکھا گیا ہے وہ قابل داد ہے۔ اختصار کے باوجود اس میں بہت سے اہم تاریخی، لسانی اور ادبی شواہد کو یک جا کیا گیا ہے۔ لیکن کچھ کمی ضرور رہ گئی تھی جو انہیں اپنا موقف بدلنا پڑا۔ ڈاکٹر غلام محمد لاکھو اس ضمن میں لکھتے ہیں:

”راشدی صاحب نے تیس برس بعد لکھا کہ سندھ میں اردو کے جنم کے حوالے سے جو رائے میں نے دی تھی، اس کی کوئی تاریخی وقعت نہیں ہے لسانی طور پر بھی اس نظریے کی کوئی بنیاد نہیں یہ ایک جذباتی قسم کی رائے تھی اس طرح سندھ میں اردو کا جنم ثابت نہیں ہوتا اس عنوان پر مزید

جلد نمبر 06، شمارہ نمبر 02، دسمبر - 2025

تحقیق کی ضرورت ہے اردو کے جنم کے حوالے سے راشدی صاحب کی اس رائے کو نظر انداز کیا گیا ہے اور آپ کا پرانا نظریہ متواتر گردش میں ہے۔“ ۱۵

ان کا ایک اور مقالہ سندھ میں اردو کے ابتدائی شعری آثار سے متعلق ہے اور بلاشبہ اس خطے کی اہمیت واضح کرتا ہے اس کے بارے میں معین الدین عقیل رقم طراز ہیں:

”اگرچہ سید سلیمان ندوی نے اولاً یہ نظریہ پیش کیا تھا لیکن پیر صاحب نے اسے مزید مثالوں اور صراحتوں سے پیش کیا۔ پیر صاحب نے کم از کم اتنا ضرور کیا ہے کہ سندھ کے چند ایسے قدیم شعراء تلاش کر لیے جو ولی دکنی کے معاصر تھے اور شمالی ہند میں اردو شاعری کے آغاز کے وقت سندھ میں بھی اردو شاعری کے رواج کا پتہ دے رہے ہیں۔“ ۱۶

عقیل صاحب ولی دکنی کے معاصرین کا تذکرہ کر رہے ہیں جب کہ راشدی صاحب نے ان سے بھی قبل کے ایک شاعر کا اپنے اس مقالے میں حوالہ دیا ہے۔

”قدیم اردو میں شاعری کا باقاعدہ آغاز قطب شاہی دور میں ہوا۔ اور قلی قطب شاہ سے (۹۸۸ھ - ۱۰۲۰ھ) پہلا شاعر تھا جس کا کلام مختلف اصناف میں دکنی اردو میں ہم تک پہنچا ہے۔ آپ کو شاید تعجب ہو گا کہ ٹھیک اسی زمانے میں ہم کو سندھ کے اندر ایک بہت ہی مقبول عام شاعر کا سراغ ملتا ہے۔ اس شاعر کا نام میر محمد فاضل بکھری، ”تاریخ معصومی“ کے مصنف میر معصوم بکھری کا چھوٹا بھائی تھا۔ میر فاضل ہندی کا شاعر تھا اور اپنے زمانے میں اس کا کلام بہت مقبول تھا۔“ ۱۷

عقیل صاحب نے یہ حوالہ ”ذخیرہ الخوانین“ مصنفہ شیخ فرید بکھری سے دیا ہے۔ فاضل بکھری کے علاوہ بھی انہوں نے اس مقالے میں سندھ کے لگ بھگ چالیس قدیم شعرا کا تذکرہ کیا ہے۔ جو اردو میں شعر کہا کرتے تھے۔ المختصر یہ کہ ان کا نظریہ درست ہو یا نہ ہو انہوں نے قدیم اردو شعراء کی جو تاریخ سندھ کے حوالے سے بیان کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اور اردو کی نشوونما میں سندھ کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔

حوالے

۱۔ غلام محمد لاکھو، ڈاکٹر: ”سید حسام الدین راشدی کی علمی خدمات“، مشمولہ، پاکستان میں اردو، جلد ۱: سندھ، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۳۰۳

۲۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر: ”اردو تحقیق، صورت حال اور تقاضے“، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء، ص ۳۸۸

۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: ”پیر حسام الدین راشدی مرحوم“، مشمولہ، سلسلہ پیر حسام الدین یادگاری خطبات ۲، انسٹیٹیوٹ آف

سنٹرل اینڈ ویسٹ ایشین اسٹڈیز، کراچی، ۱۹۸۵ء، ص ۷



جلد نمبر 06، شمارہ نمبر 02، دسمبر - 2025

- ۴۔ محمد سعید، حکیم: ”پیش نامہ“، مشمولہ، ایضاً، ص د
- ۵۔ صباح الدین عبد الرحمن، مولانا: ”پیر حسام الدین راشدی اور ان کے علمی کارنامے“، مشمولہ، ایضاً، ص ۶۷
- ۶۔ شرف الدین اصلاحی: ”اردو سندھی کے لسانی روابط“، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء، ص ۶
- ۷۔ ایضاً، ص ۸
- ۸۔ میمن عبد المجید سندھی، ڈاکٹر: ”لسانیات پاکستان“، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۳ء، ص ۱۹
- ۹۔ ایضاً، ص ۲۱
- ۱۰۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: ”سندھ میں اردو (آغاز سے ۱۷۵۰ء تک)“، مشمولہ، پاکستان میں اردو، ایضاً، ص ۳۱
- ۱۱۔ حسام الدین راشدی، پیر: ”اردو زبان کا اصلی مولد: سندھ“، مشمولہ، اردو قومی یک جہتی اور پاکستان، مرتبہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۹۲ء، ص ۱۵۱
- ۱۲۔ ایضاً، ص ۱۵۱
- ۱۳۔ محمود شیرانی، حافظ: ”پنجاب میں اردو“، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد، طبع دوم ۱۹۹۸ء، ص ۱۰
- ۱۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: ایضاً، ص ۳۶
- ۱۵۔ غلام محمد لاکھو، ڈاکٹر: ایضاً، ص ۳۰۸
- ۱۶۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر: ”سندھ میں اردو تحقیق کا اسم اعظم“، مشمولہ، پاکستان میں اردو، ایضاً، ص ۲۹۹
- ۱۷۔ حسام الدین راشدی، پیر: ”سندھ کے اردو شعراء“، مشمولہ، پاکستان میں اردو، ایضاً، ص ۱۰۴